احسانُ التدبیر

(قحط دور کرنے کی بہترین تدبیر)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	تمہید	۷
۲	امراء کی بے توجہی کی شکایت	۷
۳	بنی آدم کی مثال	۸
۴	پڑوسیوں کا خیال	۹
۵	اسلام میں مساوات واجب نہیں	۱۰
۶	شبہ کا جواب	۱۲
۷	ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۱۲
۸	کھانے کپڑے میں غلام کی برابری مستحب ہے	۱۳
۹	پڑوسیوں کی خبر گیری	۱۳
۱۰	جانوروں کے ساتھ ہمدردی کا حکم	۱۳
۱۱	شبہ کا جواب	۱۴

۱۲	مسلمانوں پر بے رحمی کا اعتراض غلط ہے	۱۵
۱۳	ذبح کے آداب	۱۶
۱۴	جانوروں پر رحم کا ثواب	۱۶
۱۵	انسانوں پر رحم کا حکم	۱۷
۱۶	حضرت یوسف علیہ السلام کا طرزِ عمل	۱۷
۱۷	اندازِ تربیت	۱۸
۱۸	لوگوں کی اقسام	۱۸
۱۹	دو غلطیاں	۱۹
۲۰	آیت کا شانِ نزول	۲۰
۲۱	خلاف شریعت مشقت بے کار ہے	۲۰
۲۲	صوفیائے محققین کے مجاہدات کی حقیقت	۲۱
۲۳	اپنے نفس کے حقوق	۲۲
۲۴	ہر کام طریقے سے کرو	۲۲
۲۵	اہمیت تقوی	۲۳
۲۶	جاہل فقیروں کی حکایات حکایت نمبر۱	۲۴
۲۷	حکایت نمبر۲	۲۵

۲۸	حکایت نمبر ۳	۲۶
۲۹	حکایت نمبر ۴	۲۷
۳۰	پیروں کے بارے میں لوگوں کا غلط خیال	۲۷
۳۱	غلط طریقے سے عبادت کرنے کا نقصان	۲۸
۳۲	اشکال کا جواب	۲۹
۳۳	شبِ براءت میں کی جانے والی بدعات	۲۹
۳۴	بدعات و رسوم سے بچنے کی آسان ترکیب	۳۰
۳۵	ایصالِ ثواب کے لئے پیرزادوں کی ایجاد	۳۱
۳۶	فاتحہ کا مال کھانے کے لئے ملانوں کی اختراعات	۳۲
۳۷	بدعات کی علامت	۳۳
۳۸	قحط دور کرنے کے لئے نامناسب تدبیریں	۳۳
۳۹	بدعات سے منع کرنے کی وجہ	۳۴
۴۰	شرعی حدود علماء سے معلوم کریں	۳۵
۴۱	ارتکابِ بدعات کے لئے کئے جانے والے چندہ کی حقیقت	۳۵
۴۲	چندہ میں خوشی و عدمِ خوشی کا امتحان	۳۶
۴۳	رسوم کے لئے دیے جانے والے چندہ میں ایک اور خرابی	۳۷
۴۴	ارتکابِ ظلم	۳۷

۴۵	صدقہ دینے میں لوگوں کی کوتاہیاں	۳۸
۴۶	چندہ جمع کرنے میں بے اعتدالیاں	۳۹
۴۷	قحط کے اسباب اور اس کے دور کرنے کی تدابیر	۳۹
۴۸	رفع قحط کے لئے دعا کی ضرورت	۴۱
۴۹	رفع قحط کی پہلی تدبیر	۴۲
۵۰	سلفِ صالحین کا طرز عمل	۴۲
۵۱	ہمارے تقوے کی مثال	۴۳
۵۲	ہماری بدحالی	۴۴
۵۳	رفع قحط کی دوسری تدبیر	۴۴
۵۴	رفع قحط کی تیسری تدبیر	۴۵
۵۵	رفع قحط کی ایک اور تدبیر	۴۶
۵۶	صدقہ کا بہترین اور آسان طریقہ	۴۶

وعظ

اِحسَانُ التّدبیر

(قحط دور کرنے کی بہترین تدبیر)

جامع مسجد تھانہ بھون میں حضرت تھانویؒ نے یہ وعظ ۱۹/رجب ۱۳۵۷ھ بروز جمعہ کو ڈھائی گھنٹہ بیٹھ کر ارشاد فرمایا۔

حضرت تھانویؒ نے اس وعظ میں دورانِ قحط لوگوں کی طرف سے کی جانے والی کوتاہیوں کی نشاندہی کی ہے اور ان دنوں میں غلہ جمع کر کے پکوانے والوں پر بھی کلام کیا ہے نیز اس کے ساتھ قحط کو دور کرنے کی تدابیر بھی بتلائی ہیں۔

مولانا سعید احمد تھانوی صاحبؒ نے اسے ضبط فرمایا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبۂ ماثورہ

الحمد لله نحمدهٗ و نستعينهٗ ونستغفرهٗ و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد انّ سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله واصحابه وازواجه و بارك وسلم **اما بعد:**

فاعوذ بالله من الشيطٰن الرّجيم

(۱)

تمہید

یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے اور دو جملوں پر مشتمل ہے اس کا شان نزول گو خاص ہے مگر مقصود اس سے ایک عام مضمون پر دلالت کرنا ہے اور اُسی عام مضمون میں یہ مضمون بھی داخل ہے جس کو اس وقت میں بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ اس وقت قصد ایک دوسرے مضمون کے بیان کا تھا لیکن بقاعدہ اَلْاَھَمُّ فَالْاَھَمُّ (۲) چونکہ اس وقت یہ مضمون زیادہ ضروری معلوم ہوا اس لئے اس کو اختیار کیا گیا ہے۔

امراء کی بے توجہی کی شکایت

یہ سب کو معلوم ہے کہ آج کل ہمارے نواح میں بارش کا کہیں پتہ نہیں ہے اور لوگوں کو قحط کا اندیشہ ہے بلکہ لوگوں کو اسی وقت سے بارش نہ ہونے کے سبب

(۱) ''اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو امید ہے کہ تم کامیاب ہو'' سورہ بقرہ:۱۸۹ (۲) جو اہم مضمون ہو اس کا بیان کرنا زیادہ اہم ہے۔

تکلیف شروع ہوگئی ہے خاص کر ان لوگوں کو جن کے پاس نہ غلہ ہے نہ اس قدر وافر روپیہ ہے کہ وہ اس سے اپنی ضرورت پوری کرسکیں البتہ جن لوگوں کے گھروں میں غلہ بھرا پڑا ہے یا جو لوگ روپے والے ہیں وہ البتہ اس تکلیف سے بچے ہوئے ہیں اور یہ تو خوشی کی بات ہے اور ان کو کسی قسم کی فکر بھی نہیں کیونکہ آثار قحط سے بچنے کا سامان ان کے پاس موجود ہے نہ اپنی فکر ہے اور یہ بھی محل شکایت نہیں اور نہ پرائی اور یہ محل شکایت ہے کیونکہ یہ خاصیت جانور کی ہے چنانچہ طوفان میں ہر جاندار کو غرق کی فکر ہوتی ہے لیکن بط (۱) کو فکر نہیں ہوتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ پانی کتنا بھی اونچا ہو جائے میں بہرصورت اس سے اونچی ہی رہوں گی ۔

گر از نیستی دیگرے شد ہلاک ترا ہست بط راز طوفان چہ باک

''اگر کوئی دوسرا مصیبت سے ہلاک ہوگیا تو اے بطخ تجھے طوفان سے کیا ڈر''

اسی طرح ناداران کی حالت کا امراء کو بھی کچھ خیال نہیں امراء کی طرف سے نادار لوگ بچیں یا ہلاک ہوں اُن کے پاس تو غلہ بھرا ہے وہ بے فکر ہیں کہ ہم کو کوئی گزند (۲) نہیں پہنچ سکتا گھر میں سے نکالیں گے اور کھائیں گے اور یہی لوگ ہیں جن کی سنگدلی بہت بڑھ جاتی ہے اور ترحم کا پتہ بھی ان میں نہیں رہتا لیکن ہے یہ بہت بڑی غلطی۔

بنی آدم کی مثال

حدیث شریف میں وارد ہے کہ بنی آدم مثل اعضاء یک دگر (۳) ہیں یعنی جو حالت ایک انسان کے اعضاء کی ہوتی ہے کہ اگر پیر میں درد ہے تو سر بھی متاثر ہے آنکھیں بھی متاثر ہیں اسی طرح بنی آدم کا حال بھی ہونا چاہئے خاص کر مسلمانوں کا اکثر ان کو ایک دوسرے کی ضرور مدد کرنا چاہئیے اور ہر شخص کو دوسرے کے غم سے

(۱) بطخ (۲) نقصان، تکلیف (۳) باہم ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔

غمگین ہونا چاہئیے اور اُسکے ازالے کی تدابیر میں لگنا چاہئیے جس قسم کی تدبیر بھی ممکن ہو اس لئے کہ تدابیر مختلف ہوتی ہیں کسی امر کی تدبیر یہ ہے کہ اس کے لئے دعا کی جائے کسی کی تدبیر یہ ہے کہ اسبابِ طبعیہ کی مباشرت کی جائے ایک کو دوسرے سے غافل ہرگز نہ رہنا چاہئیے یہ ہے انسانیت جس کو حضور ﷺ نے بیان فرمایا ہے اور اس کا ترجمہ شیخ شیرازی علیہ الرحمۃ نے ان الفاظ میں کیا ہے ۔

بنی آدم اعضائے یک دیگرند ۔۔۔ کہ در آدمیت زیک جوہرند
چو عضوے بدرو آورد روزگار ۔۔۔ دگر عضوہا را نماند قرار
چو از محنت دیگراں بے غمی ۔۔۔ نشاید کہ نامت نہند آدمی

''بنی آدم ایک دوسرے کے اعضاء ہیں اس لئے کہ آدمی ہونے میں وہ ایک ہی جوہر سے ہیں جب گردش زمانہ کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچاتی ہے تو اس تکلیف کی وجہ سے دوسرے عضو کو بھی قرار نہیں آتا جب تو دوسروں کی تکلیف اور مشقت سے بے پرواہ ہے تو تجھے آدمی نہ کہنا چاہئے''۔

پڑوسیوں کا خیال

شریعتِ مطہرہ نے مواساۃ (۱) کی یہاں تک رعایت کی ہے اور اس کی تعلیم دی ہے کہ ارشاد ہوتا ہے ''جب گوشت پکایا کرو تو اس میں شوربا زیادہ کرلیا کرو'' آگے فرماتے ہیں ((وَتَعَاهَدُوا جِيرَانَكُمْ))(۲) اللہ اکبر شریعتِ مطہرہ نے کس قدر رعایتیں کی ہیں اور کیسی پاکیزہ تعلیم دی ہے اس حدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ہمدردی کی تعلیم کے ساتھ ہی ایک دوسرے بڑے دقیق امر کی کتنی رعایت فرمائی ہے یعنی اس حکم کے ساتھ کہ شوربا زیادہ کرلیا کرو اور خود ہی سب

(۱) غم خواری (۲) اپنے پڑوسی کا خیال بھی رکھا کرو۔

بھون کر مت کھا جایا کرو ایک ایسے امر کی رعایت کی ہے کہ نبی کے سوا دوسرے کے کلام میں اتنی دقیق رعایت ممکن نہیں اور ایسی رعایتیں نبی کے کلام میں اس لئے ہوا کرتی ہیں کہ ان حضرات کو خدا تعالیٰ خود ادب اور علم سکھلاتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے ((عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمِیْ وَاَدَّ بَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَأْدِیْبِیْ)) ''مجھے میرے رب نے تعلیم دی ہے اور بہترین تعلیم دی ہے اور مجھے میرے رب نے ادب سکھلایا ہے اور اچھی طرح سکھلایا''

اسلام میں مساوات واجب نہیں

اور وہ امر یہ ہے کہ انسان اگرچہ کتنا ہی بڑا ہمدرد ہو اور صفت ایثار اس میں کتنی ہی غالب کیوں نہ ہو لیکن اس میں یہ خصلت بھی طبعاً ضرور ہوتی ہے کہ وہ ہر امر میں دوسرے کو اپنے برابر نہیں رکھتا اور اپنے مرافق (۱) خاصہ میں طبعاً دوسرے کی شرکت گوارا نہیں کرتا اور قرآن مجید نے بھی اس کی اجازت دی ہے اور یہ بالکل فطرت کا مقتضا ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ غالباً ہر شریعت آسمانی میں اس کی اجازت ہوگی سو قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿هَلْ لَّكُمْ مِّمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْمَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ﴾ (۲) اس آیت میں توحید کو بیان فرمارہے ہیں اور اس کی توضیح کے لئے ایک مثال دیتے ہیں کہ تم خدا کے مملوک کو خدا کے برابر کیسے قرار دیتے ہو حالانکہ اگر تمہارا ایک غلام ہو تو کیا تم اس کو اپنے برابر سمجھ لوگے یعنی حظوظ اور انتفاعات (۳) کے حاصل کرنے میں تم اُن کو اپنے برابر نہیں

---

(۱) منافع یعنی نفع اٹھانے والی چیزوں میں (۲) ''کیا تمہارے غلاموں میں کوئی شخص تمہارا اس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے شریک ہے کہ تم اور وہ اس میں برابر ہو'' سورۂ روم: ۲۸ (۳) فوائد اٹھانے اور حصے میں۔

سمجھتے اس مثال کو ذکر کرکے اس کو رد نہ فرمانا بلکہ استدلال کرنا اس میں عدم مساوات کی اجازت کی صاف دلیل ہے اور یہ مساوات واجب بھی نہیں ہے اور حکمت اس پر واجب نہ ہونے کی یہ ہے کہ اس پر بہت کم آدمی عمل کرسکتے، علیٰ ہذا حدیث سے بھی اس کی اجازت مفہوم ہوتی ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ ''اگر غلام سے اچھا کھانا پکواؤ تو بہتر تو یہ ہے کہ اس کو اپنے ساتھ کھلاؤ لیکن اگر ایسا نہ کرسکو تو کم از کم اتنا تو ضرور کرو کہ ایک لقمہ بنا کر اس کے ہاتھ پر رکھدو'' اور اس حدیث میں بھی علاوہ تعلیم ہمدردی کے ایک بڑی حکمت تمدنی (۱) بھی ہے کہ اس سے چوری کا انسداد (۲) بالکل ہوگیا کیونکہ جب غلام یہ سمجھے گا کہ آقا خود مجھے دیدے گا تو چوری نہ کرے گا۔ اسی طرح اس تعلیم کو دیکھئے اس میں بڑے بڑے دقیق امور کی رعایت (۳) ہے اگرچہ اس وقت وہ امور حضور ﷺ کو مقصود نہ ہوں چنانچہ اس مقام پر بھی گو اس انسداد کی غرض سے ایسا نہ فرمایا ہو لیکن تعلیم اتنی پاکیزہ ہے کہ اس پر عمل کرنے سے اس کا بھی انسداد ہوجائے گا غرض اس لقمہ رکھ دینے کی حدیث میں ہمدردی کی بھی رعایت ہے اور انسان کے طبعی مقتضا کی بھی رعایت ہے کہ بہتر تو ساتھ کھلانے کو فرمایا اور ساتھ ہی اس کی بھی اجازت دیدی کہ الگ سے تھوڑا سا دے دو کیونکہ نفس میں یہ بات پیدا ہوسکتی ہے کہ جب میں کماتا ہوں تو دوسرا اُس میں برابر کا کیوں شریک ہو اسی طرح قرآن میں: ﴿أَنتُمْ فِيهِ سَوَآءٌ﴾ فرمایا ''یعنی کیا تم غلاموں کو اپنے برابر بنالو گے'' یہ تمثیل بھی اس پر دال ہے کہ مساوات باہم نہیں ہوسکتی اس لئے کہ خدا نے اس پر انکار فرمایا اور یہ قاعدہ مقررہ ہے کہ جب کسی امر کو نقل کرکے قرآن وحدیث میں اس پر انکار نہ کیا جائے تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت ہوتا ہے جیسا اوپر بیان کیا گیا۔

---

(۱) معاشرتی حکمت بھی ہے (۲) چوری کا دروازہ بند ہوجائے گا (۳) بہت باریک باتوں کی رعایت کی گئی ہے۔

شبہ کا جواب

اگر کسی کو شبہ ہو کہ حدیث میں تو ((اَلْبِسُوْھُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ وَاَطْعِمُوْھُمْ مِمَّا تُطْعَمُوْنَ))''جو تم پہنتے ہو وہی اُن کو بھی پہناؤ اور جو تم کھاتے ہو وہی ان کو بھی کھلاؤ'' آیا ہے پھر عدم مساوات کی اجازت کہاں ہوئی؟۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ استحباب کے لئے ہے اور بصورت وجوب اس لئے فرمایا کہ مخاطب اس کے ایک خاص شخص تھے اور ان کی خصوصیت وقتیہ کا مقتضا یہ ہوگا کہ اس میں تاکّد ہو(۱) واقعہ اس کا یہ ہوا تھا کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ جو کہ نہایت جلیل القدر صوفی مشرب صحابی ہیں اور ان کی شان دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بالکل جدا ہے ایک مرتبہ یہ ایک غلام سے لڑ رہے تھے اسی اثنا میں انہوں نے اس کے نسب پر طعن کیا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر شکایت کردی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا اور یہ فرمایا کہ: ((اِنَّکَ اِمْرَءٌ فِیكَ جَاھِلِیَّةٌ))''تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت (کی بو) ہے'' اور فرمایا کہ ''خدا تعالیٰ نے ان کو تمہارے قبضے میں کردیا ہے ان کو حقیر نہ سمجھو بلکہ جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ'' تو اس واقعہ میں اگر تعلیم مجاہدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود کہا جائے تو اس کی خصوصیت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صیغے کو تاکد کے لئے بھی کہا جاسکتا ہے۔

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے بھی اس پر یہاں تک عمل کیا کہ انہوں نے ایک تو خود پہنا اور ایک اپنے غلام کو دیدیا ایک شخص نے ان کو ایک چادرے میں دیکھا تو کہا اے ابوذر رضی اللہ عنہ یہ چادرے دونوں اگر تم رکھتے تو پورا حُلّہ (۲) ہوجاتا

(۱) وقتی مصلحت کی وجہ سے اس کو تاکید سے بیان کیا گیا (۲) لباس۔

اور اچھا معلوم ہوتا' حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو تم سچ کہتے ہو لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ یہ فرمایا تھا کہ "جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ" اُس روز سے میں اپنے اور غلام کے کھانے کپڑے میں کچھ فرق نہیں کرتا یہ تو آپ کی خصوصیت کے اعتبار سے کلام تھا۔

کھانے کپڑے میں غلام کی برابری مستحب ہے

اور اگر عام لیا جائے اور ظاہر یہی ہے بھی تو پھر یہ امر استحباب کے لئے ہے اور دلیل استحباب کی وہی سابق حدیث ہے کہ کم سے کم ایک لقمہ ہی دیدیا کرو۔ تو تفاوت رکھنا تو جائز ہے لیکن یہ جائز نہیں کہ بالکل رحم نہ کیا جائے اور خبر ہی نہ لی جائے۔

پڑوسیوں کی خبر گیری

پس اسی جواز تفاوت کی رعایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرماتے ہیں کہ "اگر گوشت پکایا کرو تو شوربا زیادہ کرلیا کرو" یعنی اگر اپنے برابر دوسروں کو بھنا ہوا گوشت نہ کھلا سکو تو خیر ان کو کچھ شوربا ہی دیدیا کرو۔ بعض صالحین کا بھی عمل اس کے موافق سنا گیا ہے کہ جب ان کے ہاں گوشت پکتا تو شوربا بڑھا کر پڑوسیوں کو بھی دیتے تھے یہ ایسا حکم ہے کہ عمل کرنے والے کو اس میں ذرا بھی گرانی نہیں ہوسکتی اور مصلح (۱) کی یہی دانائی ہے سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر دانا کون ہوسکتا ہے۔ غرض ان احادیث سے یہ معلوم ہوا کہ ہمدردی کی سخت ضرورت ہے۔

جانوروں کے ساتھ ہمدردی کا حکم

بلکہ بعض احادیث سے تو یہاں تک معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں کے ساتھ بھی ہمدردی کرنا ضروری ہے اور ان کو ستانا جائز نہیں چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ

(۱) اصلاح کرنے والے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عقلمندی ہے۔

''اگر سواری کو ٹھہرا کر بات کرنا ہو تو اس پر سے اُتر پڑو اُس پر چڑھے چڑھے زیادہ باتیں مت کرو'' حتیٰ کہ جن جانوروں کے ذبح کرنے یا قتل کرنے کی بھی اجازت دی ہے اُن کے ذبح اور قتل کے بھی قاعدے بتلا دیئے ہیں اور اس میں ظلم کی اور ترسانے کی ممانعت اور اس پر وعید فرمادی ہے ایک حدیث میں ہے کہ ''ایک عورت نے بلی پالی تھی اور اس کو باندھ کر رکھ چھوڑا تھا نہ خود کچھ کھلاتی تھی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ کچھ کھا کر گذر کرلے حتیٰ کہ وہ بھوک سے تڑپ تڑپ کر مرگئی حضور ﷺ نے جب عالَم برزخ کا معائنہ فرمایا تو دیکھا کہ وہ عورت دوزخ میں جل رہی ہے اور وہ بلی اُس پر مسلّط ہے اور نوچ رہی ہے''۔

شبہ کا جواب

اگر کسی کو شبہ ہو کہ جب بلی آگ میں تھی تو سزا تو اس کو بھی ہوئی پھر اُس نے بدلہ کیا لیا؟

جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو یہی ضروری نہیں کہ جو چیز آگ میں ہو وہ جلا ہی کرے اس لئے کہ آگ میں جلانے کی قوت خدا تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کسی خاص چیز کے حق میں اس اثر کو باطل فرمادیں دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس بلی کی صورت میں کوئی دوسری چیز اس پر مسلط کی گئی ہو اور بلی کی صورت اس لئے بنادی گئی ہو تا کہ اس عورت کو یاد آجائے کہ میرے فلاں عمل کی سزا مجھ کو مل رہی ہے تو معلوم ہوا کہ جانوروں کا ستانا بھی جائز نہیں البتہ جو جانور ستاتے ہوں ان کو مار ڈالنا جائز ہے لیکن ایک دم سے ماردینا چاہیئے ستا ستا کر مارنا جائز نہیں ہے اسی طرح ذبیحہ کے لئے فرمایا کہ ''چھری کو تیز کرلیا کرو اور جلدی ذبح کردیا کرو'' جب چار رگیں کٹ جائیں تو پھر آگے تک چھری چلانا بھی جائز نہیں

ہے کیونکہ چاروں رگوں کے کٹنے کے بعد فوراً تو جان نکلتی نہیں اس لئے اگر آگے بھی چھری چلائی جائیگی تو بلا ضرورت اس کو تکلیف ہوگی اور یہ حرام ہے۔

مسلمانوں پر بے رحمی کا اعتراض غلط ہے

افسوس ہے کہ آجکل دوسری قومیں مسلمانوں کو بے رحم بتلاتی ہیں وہ ذرا آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ مسلمانوں میں کس قدر رحم ہے اور اگر اس کا نام بھی بے رحمی ہے تو دنیا میں کوئی بھی رحیم نہیں کیونکہ تمام قومیں اپنی ضرورت میں آدمی کے قتل تک کو بھی جائز کہتی ہیں چنانچہ ملکی لڑائیوں میں اور مذہبی جنگوں میں ہزاروں آدمی تیغ کے گھاٹ (۱) اتر جاتے ہیں جو لوگ ہتیا (۲) کرتے ہیں وہ بھی بکری وغیرہ کو سانپ کو بچھو کو مار ڈالتے ہیں اور اگر کوئی کہے کہ ہم تو کسی کو بھی نہیں مارتے تو میں اُن سے پوچھتا ہوں کہ جب آپ کے گھر میں بہت سے چوہے ہو جاتے ہیں اور وہ آپ کو ستاتے ہیں تو آپ ان کا کیا علاج کرتے ہیں بعضے یہ کہیں گے کہ ہم ان کو پکڑ کر دوسرے محلے میں چھوڑ دیتے ہیں چنانچہ بعضے ایسا کرتے بھی ہیں تو نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ اُس محلے کے مسلمان خوب اچھی طرح جوتوں سے مار مار کر ان کا خاتمہ کریں تو صاحبو کیا کوئی عقلمند اس کو رحم کہے گا کہ جن چیزوں کو اپنا دیوتا سمجھا جاتا ہے ان کو ایسے لوگوں کے سپرد کیا جائے جن کو بے رحم سمجھا جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ اپنی مصلحت سے دوسروں کی جان لینا جائز ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی اجازت اپنی مصلحت سے بڑھ کر ہے تو خدا تعالیٰ کی اجازت سے دوسروں کی جان لینا کیوں نہ جائز ہوگا' اور جب جائز ہے تو مسلمانوں پر بے رحمی کا اعتراض بالکل غلط ہوا اور اگر اب بھی وہ بے رحم ہیں تو آپ اُن سے زیادہ بے رحم ہیں کہ ان کے ہاتھ سے بے رحمی کراتے ہیں غرض جانور کے ذبح کو بھی بے رحمی بتلانا سخت غلطی ہے۔

---

(۱) تلوار سے قتل کئے جاتے ہیں (۲) جرم۔

ذبح کے آداب

ہاں ذبح میں اس کو تکلیف دینا ستانا یہ بے رحمی ضرور ہے تو شریعت مطہرہ نے اس کی کہیں اجازت نہیں دی مگر افسوس ہے کہ آجکل ذبح کرنے والے اکثر اس کی پرواہ نہیں کرتے بلکہ بعض تو یہاں تک غضب کرتے ہیں کہ ٹھنڈا ہونے سے قبل ہی کھال بھی کھینچنا شروع کر دیتے ہیں خیر قصائیوں کو اختیار ہے وہ جو چاہیں کریں خود بھگتیں گے لیکن جو لوگ ذبح کرتے ہیں وہ تو ذبح میں کہ ان کا فعل ہے تکلیف نہ دینے کا انتظام کر سکتے ہیں خدا ہمارے بزرگوں کو جزاء خیر دے کہ انہوں نے قصائیوں کو ذبح کی اجازت ہی نہیں دی اس میں منجملہ دوسرے مصالح کے ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ یہ لوگ اکثر سخت دل ہوتے ہیں پس دوسرے لوگ کچھ تو رحم کریں گے بالخصوص قربانی کے جانوروں میں تو لوگوں کو بہت ہی احتیاط کرنی چاہیئے۔ کیونکہ وہ تو خالص اپنی مِلک ہیں قصائیوں کا اُس میں کوئی اختیار نہیں پس جب تک وہ جانور ٹھنڈے نہ ہو جائیں ہرگز کھال نہ نکالنے دیں۔

جانوروں پر رحم کا ثواب

تو جب شریعت میں جانوروں کو ستانے کی اجازت نہیں اور ان پر رحم کا حکم ہے اور اس رحم پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ ''ایک فاحشہ عورت چلی جا رہی تھی راستہ میں اُس نے ایک کتے کو دیکھا کہ پیاس کے مارے سِسک رہا ہے اس عورت کو بہت قلق (١) ہوا اور اس نے کتے کے لئے پانی تلاش کرنا شروع کیا آخر ایک کنواں ملا لیکن اس کنویں پر نہ رسی تھی نہ ڈول تھا اس عورت نے اپنا چمڑے کا موزہ اُتارا اور اپنی اوڑھنی سے رسی کا کام لے کر پانی نکالا

---

(١) رنج ہوا۔

اور اس کتے کو پلایا خدا تعالیٰ نے اس عمل کی بدولت اس کے عمر بھر کے گناہ بخش دیئے اور بے حساب اس کو جنت میں داخل کر دیا" اس حدیث کو سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا جانوروں کو پانی پلانا بھی ثواب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر جاندار کو آرام دینے میں ثواب ہے"۔

انسانوں پر رحم کا حکم

غرض جب شریعت میں جانور تک کو آرام دینے کا حکم ہے تو کیا اس میں انسان کو آرام پہنچانے کا حکم نہ ہوگا یا انسان کا کوئی حق اس شریعت میں مقرر نہ کیا گیا ہوگا۔ افسوس ہے! آج کل اکثر لوگ جانوروں پر تو رحم کرتے ہیں لیکن اپنے بھائیوں پر رحم نہیں کرتے بعض کی تو یہ حالت ہوگئی ہے کہ ان کے گھر میں چیزیں رکھی رکھی سڑ جائیں گی لیکن کبھی یہ توفیق نہ ہوگی کہ پڑوسیوں کو یا کسی دوسرے حاجت مند کو اس میں سے کچھ دیدیں اور اگر کسی کو دینگے تو ایسے شخص کو جس کے دینے سے ان کا نام ہو یا ان کا کوئی کام نکلے تو یہ دینا واقع میں اپنے ہی کو دینا ہے باقی ترحم کے لئے بہت کم لوگ ہیں کہ وہ کسی کو کچھ دیتے ہوں اور یہ لوگ زیادہ تر وہ ہیں جو کہ خود نہایت آرام میں ہیں اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ تکلیف کس چیز کا نام ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا طرز عمل

یہی وجہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے سات برس کے مسلسل قحط میں کبھی شکم سیر ہوکر کھانا نہیں کھایا اور جب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ آج کل قحط کا زمانہ ہے لوگ وقت بے وقت میرے پاس غلہ لینے کے لئے آتے ہیں اگر میں شکم سیر ہوکر کھاؤں گا تو مجھ کو ان کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہو سکے گا تو ممکن

ہے میں کسی وقت غلہ دینے سے انکار کردوں اور بھوکا رہوں گا تو ہر وقت یہ معلوم رہے گا کہ بھوک کی تکلیف ایسی ہوتی ہے اس کو بھی ایسی ہی تکلیف ہورہی ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص خود آرام میں ہو اس کو دوسرے کی تکلیف کا اندازہ نہیں ہوتا۔

اندازِ تربیت

اور یہی سبب تھا کہ پہلے زمانہ میں تربیت کرتے وقت کچھ تکلیف بھی دیا کرتے تھے ایک قصہ مشہور ہے کہ کسی بادشاہ کا لڑکا ایک میاں جی کے سپرد تھا وہ اُس کو پڑھاتے لکھاتے تھے ایک مرتبہ بادشاہ جو مکتب میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ میاں جی سوار ہوکر فلاں جانب کو گئے ہیں یہ سن کر بادشاہ خود بھی اسی جانب چل دیا دونوں ملے مگر اس حالت میں کہ میاں جی گھوڑے پر سوار ہیں اور شاہزادہ سائیس کی طرح گھوڑے کے پیچھے دوڑا چلا آرہا ہے یہ دیکھ کر بادشاہ کو نہایت غصہ آیا لیکن اس وقت تحمل سے کام لیا اور پھر اطمینان سے میاں جی سے اس کی وجہ دریافت کی اُس نے کہا کہ شاہزادہ ہے خدا اس کی عمر میں برکت کرے ایک دن یہ تختِ سلطنت پر متمکن ہوگا(۱) ہزاروں آدمی اس کی خدمت میں ہونگے سواری کریگا تو جلو میں بھی سینکڑوں آدمی ہونگے سو میں نے اس پر اس واسطے مشقت ڈالی کہ بادشاہی کے زمانے میں یہ دوسروں کی مشقت کا بھی اندازہ کرسکے اور لوگوں کو تحمل سے زیادہ تکلیف نہ دے بادشاہ اس کو سن کر بہت خوش ہوا اور انعام واکرام دیا۔

لوگوں کی اقسام

تو جو لوگ آسودہ ہیں(۲) اور اتنا کھاتے ہیں کہ ان کو نمک سلیمانی کی بھی ضرورت ہو ان کو کچھ خبر نہیں ہوتی کہ دوسروں پر کیا گذرتی ہے ایک جماعت تو ان

(۱) بادشاہ بنے گا (۲) مال دار خوش حال ہیں۔

بے رحموں کی ہے لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں اس لئے کہ ایسے لوگ اکثر امراء ہیں اور امراء کی تعداد خود بہت کم ہے دوسری جماعت وہ ہے اور یہی تعداد میں زیادہ ہے کہ جن کو ابھی سے آثار قحط سے تکلیف ہونے لگی ہے اور اس کے رفع (۱) کی بھی تمنا ہے اور مجھے اس وقت زیادہ تر اس جماعت کے متعلق ایک مضمون بیان کرنا ہے وہ یہ ہے کہ جن لوگوں کو بظاہر قحط کی طرف سے فکر لگی ہوئی ہے اُن میں یہ بات دیکھنے کی ہے کہ آیا صرف اُن کی زبانوں پر اس کا ذکر ہی ہے یا کوئی تدبیر بھی کررہے ہیں اور اگر تدبیر کررہے ہیں تو واقع میں بھی وہ تدبیر مفید ہے یا نہیں اور اس کو تدبیر کہا جاسکتا ہے یا نہیں۔

دوغلطیاں

تو مجموعی حالت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اس میں دو غلطیاں کررہے ہیں بعض تو ایسے ہیں کہ وہ کوئی تدبیر ہی نہیں کرتے بلکہ جس طرح اُن کی مجلس میں اور دنیا بھر کی باتوں کا تذکرہ ہوا کرتا ہے اسی طرح اس کا بھی تذکرہ ہوجاتا ہے اس کو اس کی خبر ہی نہیں ہے کہ قحط کے رفع کے لئے کوئی تدبیر بھی ہے یا نہیں اور بعض ایسے ہیں کہ وہ تدبیر کو ضروری سمجھتے ہیں اور تدبیر کرتے بھی ہیں لیکن وہ تدبیر صحیح نہیں ہوتی اور شاید ہزاروں میں دو چار ہی آدمی ایسے ہوں جو سمجھ سکتے ہوں اس لئے وہ بھی بے تدبیری کرتے ہیں مجھ کو اس وقت اسی بے تدبیری کے متعلق کچھ کہنا ہے لیکن میں نے اس وقت جو آیت پڑھی ہے وہ کچھ اسی بے تدبیری کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ اس بے تدبیری اور ہر بے تدبیری کو شامل ہے آیت یہ ہے: ﴿وَأْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ط وَاتَّقُوااللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ترجمہ اس آیت کا یہ ہے کہ'' گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور خدا تعالیٰ سے ڈرو اُمید ہے کہ تم فلاح حاصل کرلو'' مناسبت اس آیت کی آج کے

(۱) قحط دور کرنے کی خواہش۔

مضمون سے ان شاء اللہ ابھی ظاہر ہو جائے گی۔

آیت کا شانِ نزول

شانِ نزول اس آیت کا یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں منجملہ اور رسوم قبیحہ (۱) کے ایک رسم یہ بھی تھی کہ ایام حج میں احرام باندھنے کے بعد گھر میں نہ جاتے تھے اور اگر بہت ہی ضرورت گھر میں جانے کی ہوتی تو گھر کی پشت سے اندر جاتے تھے دروازے سے مکان میں جانے کو ان ایام میں حرام سمجھتے تھے خدا تعالیٰ اس رسم کو مٹا رہے ہیں اور اس کا لغو ہونا ظاہر فرما کر مکان میں دروازے کے ذریعے سے داخل ہونے کا حکم فرماتے ہیں' اس کے بعد دوسرے جملے میں تقویٰ کا حکم دیتے ہیں جس سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک اصل چیز تقویٰ ہے یعنی جن باتوں سے خدا تعالیٰ ناراض ہوں ان کو ترک کر دینا۔

خلافِ شریعت مشقت بے کار ہے

باقی یہ مخترع رسوم (۲)' سو یہ کوئی چیز نہیں ہیں کیونکہ محض نفس کی مخالفت کرنے سے خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل نہیں ہوتی جیسا وہ لوگ سمجھتے تھے کہ پشت کی طرف کو جانا نفس پر شاق ہے اس لئے یہ قربت ہے اور یہ ایسا مرض ہے کہ آج کل کے صوفی بھی اکثر اس میں مبتلا ہیں یعنی یہ سمجھا جاتا ہے کہ جس قدر نفس کی زیادہ مخالفت ہوگی خدا تعالیٰ زیادہ راضی ہوں گے اگرچہ وہ مخالفتِ نفس شریعت کے خلاف بھی ہو۔ چنانچہ بعض لوگوں کو خبط (۳) ہوتا ہے کہ وہ اپنے اوپر گوشت کھانا حرام کر لیتے ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ کے خزانے میں اُن کے اس فعل سے بڑی توقیر ہوگئی۔ اسی طرح بعض لوگ سرد پانی (۴) نہیں پیتے۔ بعضے چارپائی پر نہیں سوتے اور

(۱) بری رسموں اور طریقوں (۲) گھڑی ہوئی رسمیں (۳) بعض لوگ یہ بے وقوفی کرتے ہیں (۴) ٹھنڈا پانی۔

بعضے لوگ جن کو دولت اسلام نصیب نہیں وہ تو یہاں تک بڑھ گئے ہیں کہ اپنے اعضاء تک سکھلا دیتے ہیں چنانچہ ایسے جوگی سنے گئے ہیں کہ انہوں نے اپنا ہاتھ سکھلا دیا۔ میں نے ایک کافر کو دیکھا کہ گرمی کے ایام میں چاروں طرف آگ جلا رکھی ہے اور اس کے بیچ میں خود بیٹھا ہے گویا یہیں دکھلا رہا ہے کہ میں دوزخی ہوں۔ یہ سب جہل کی باتیں ہیں حدیث میں وارد ہے: ((اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا)) ''بیشک تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے' اور بے شبہ تیری آنکھ کا تیرے ذمہ حق ہے'' اتنی مشقت نہ اٹھاؤ کہ پھر بالکل کام ہی سے جاتے رہو۔

پس معلوم ہوا کہ کوئی خاص تکلیف اپنی طرف سے اختراع (۱) کر کے برداشت کرنا تقویٰ نہیں ہے۔

صوفیائے محققین کے مجاہدات کی حقیقت

لیکن اس سے اُن لوگوں پر شبہ نہ کیا جائے جنہوں نے اپنے نفس کی اصلاح کے لئے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں اس لئے کہ اول تو وہ حضرات حدّ اباحت (۲) سے تجاوز نہ کرتے تھے پھر وہ بھی اس کو بطورِ علاج کے کرتے تھے عبادت اور ذریعہ قرب نہیں سمجھتے تھے ان کے مجاہدے کی ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی شخص گُل بنفشہ پینے لگے یا کسی مرض کی وجہ سے چند کھانے برائے چندے چھوڑ دے کہ وہ اس دوا پینے اور ترک اطعمہ (۳) کو عبادت نہیں سمجھتا بلکہ ذریعۂ حصول صحت سمجھتا ہے اور اگر کوئی اس کو ثواب سمجھ کر پینے لگے تو وہ یقیناً گنہگار ہوگا اس واسطے کہ اُس نے قانون شریعت میں ایک دفعہ (۴) کا اضافہ اپنی طرف سے کیا اور بدعت کے قبح کا (۵) یہی راز ہے اگر اس میں غور کیا جائے تو پھر بدعت کے منع

---

(۱) اپنی جانب سے کوئی بات گھڑ لینا (۲) جواز کی حد سے تجاوز نہیں کرتے تھے (۳) دوا پینے اور کھانا چھوڑ دینے کو وہ عبادت نہیں سمجھتا (۴) شرعی قانون میں ایک شِق کا اضافہ کیا (۵) بدعت کے بُرا ہونے کی بھی یہی وجہ ہے۔

میں تعجب نہ ہو روزمرہ میں اس کی مثال دیکھئے اگر کوئی صاحب مطبع گورنمنٹ کے قانون کو طبع کرے اور اخیر میں ایک دفعہ کا اضافہ کردے اور وہ ملک وسلطنت کے لئے بھی بے حد مفید ہو تب بھی اس کو جرم سمجھا جائے گا اور یہ شخص مستوجبِ سزا(۱) ہوگا۔ پس جب قانونِ دُنیا میں ایک دفعہ کا اضافہ جرم ہے تو قانونِ شریعت میں ایک دفعہ کا اضافہ جس کو اصطلاحِ شریعت میں بدعت کہتے ہیں کیوں جرم نہ ہوگا؟ تو اگر اس طرح سے کوئی گوشت وغیرہ کو ترک کریگا تو بلا شبہ جُرم ہوگا لیکن ان حضرات نے ایسا نہیں کیا بلکہ محض علاج کے طور پر ترک کیا ہے بخلاف اس وقت کے جہلاء کے کہ وہ اس کو دین اور عبادت اور ذریعۂ قرب سمجھ کر کرتے ہیں بہرحال نفس کو راحت پہنچانا اور اس کے حقوق کا ادا کرنا بھی ضروری ہے اس لئے شریعتِ مطہّرہ نے ہر چیز کی ایک حد مقرر کردی ہے۔

اپنے نفس کے حقوق

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ صحابی کا واقعہ ہے کہ وہ رات کو بہت جاگتے تھے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے ان کو روکا' آخر مقدمہ جناب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سلمان سچ کہتے ہیں اور ارشاد فرمایا: ((اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا))(۲) الخ

ہر کام طریقے سے کرو

غرض ایام جاہلیت میں لوگ منجملہ اور تکالیف کے ایک تکلیف اپنے نفس کو یہ بھی دیتے تھے خدا تعالیٰ اسی کو فرماتے ہیں کہ اصل چیز تقویٰ ہے اس کو اختیار کرو اور گھر میں پس پشت سے آنا کوئی ثواب کا کام نہیں ہے یہ حاصل ہے اس آیت کا اور یہ گو لفظاً خاص ہے ایک ہی امر کو مگر معنیً عام ہے ایسے امور کو جو اس کی نظیر ہوں

(۱) سزا کا مستحق (۲) ''بے شک تیرے نفس کا بھی تجھ پر حق ہے''۔

وہ معنی مشترک یہ ہیں کہ جس کام کا جو طریقہ ہے اسی طریقے سے اس کام کو کرو بے طریقے نہ کرو اور یہ مضمون عام ہے لہذا آیت میں معنی تعمیم کے ہو گئے۔

اہمیتِ تقویٰ

اور جملۂ ثانیہ ((وَاتَّقُوا اللّٰہَ)) الخ سے بدلالتِ مطابقی تعمیم ہی ہو رہی ہے کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ جو بات تقوی پر مبنی نہ ہوگی۔ گو ظاہراً وہ موجب قربت نظر آئے وہ موجبِ کامیابی نہ ہوگی اور تمہارا ظہورِ ابواب سے بیوت (۱) میں داخل ہونا تقوی پر مبنی نہیں ہے لہذا یہ بھی اُس کامیابی کا سبب نہیں جو تمہارا مقصود ہے کہ رضاء حق حاصل ہو۔

اب آیت کا مضمون پیش نظر رکھ کر اپنی حالت کو دیکھئے کہ ہم اکثر کام ایسے ہی طریقے سے کرتے ہیں جس میں کامیابی نہیں ہوتی اور مراد اس وقت دنیا کے کام نہیں کیونکہ اس کی کامیابی کے طریقہ کی تعلیم کرنا ہمارا کام نہیں ہم سے یہی بہت غنیمت ہے کہ ہم دنیا کے کام کی اجازت دے دیتے ہیں اس وقت مجھے یہ شعر یاد آتا ہے جس میں اہلِ دنیا کے اُس انتظار کا جو کہ علماء سے کامیابِ دنیا کا طریقہ بتلانے کے متعلق ان کو رہتا ہے جواب ہے کہتے ہیں ؎

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم   چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

”نہ تو میں رات ہوں اور نہ رات کا پجاری کہ نیند کی باتوں پر اعتماد کروں جب میں آفتاب کا غلام ہوں تو ساری باتیں آفتاب کی کہوں گا“

ماہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم   الا حدیثِ یار کہ تکرار می کنیم

”جو کچھ ہم نے پڑھا ہے سب بھول گئے ہیں علاوہ حدیثِ یار کے کہ بار بار اُسی کے دہراتے ہیں“

---

(۱) دروازوں کی پشت سے گھروں میں داخل ہونا۔

یعنی ہم کو خدا تعالیٰ کی باتوں کے سوا کچھ یاد نہیں رہا اور ہم دنیا کی باتیں کچھ نہیں جانتے اور اگر اب تک جانتے تھے تو اب بھول گئے غرض اس وقت گفتگو دین کے کاموں کے متعلق ہے کہ ان میں بھی وہ طریقہ اختیار کرتے ہیں جو شریعت کے خلاف ہونے کے سبب اخروی کامیابی کا سبب نہ ہو مثلاً یہی جو اوپر مذکور ہے کہ اپنے نفس کو خوب تکلیف دینا سبب قربت کا سمجھا جائے۔

جاہل فقیروں کی حکایات

حکایت نمبرا

اس پر مجھے ایک جاہل فقیر کی حکایت یاد آئی وہ یہ ہے کہ ایک عالم کے صاحبزادے گھر سے خفا ہو کر چلے گئے ایک مقام پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہاں پہاڑ پر ایک فقیر رہتا ہے ان کو چونکہ دین سے مناسبت خاندانی تھی اس لئے ان کو اس فقیر سے ملنے کا شوق پیدا ہوا وہاں جا کر دیکھا کہ ایک شخص ہے جس نے ایک آنکھ پر پٹی باندھ رکھی ہے اور ناک کا ایک سونت (۱) نجاست بھری بتّی سے بند کر رکھا ہے انہوں نے اس حرکت کا سبب پوچھا تو اس فقیر نے کہا کہ ناک میں گُو (۲) کی بتّی تو اس لئے دی ہے کہ یہاں پھولوں کے درخت بہت ہیں ہر وقت خوشبو سے دماغ معطر رہتا ہے اور اس سے نفس پھولتا ہے تو میں نے نفس کا علاج کرنے کے لئے ایک طرف ناک میں نجاست کی بتی دے رکھی ہے تا کہ اس کی تکلیف سے نفس محظوظ نہ ہونے پائے اور آنکھ پر پٹی اس واسطے باندھ رکھی ہے کہ کام تو ایک آنکھ سے بھی چل جاتا ہے پھر بلا ضرورت دوسری آنکھ کو کیوں خرچ کروں یہ سنکر اس مسافر نے کہا کہ فقیر صاحب میں خود تو عالم نہیں ہوں لیکن عالموں کی صحبت میں رہا

(۱) ناک کے ایک سوراخ میں نجاست کی بتی بنا کر ٹھونسی ہوئی ہے (۲) پاخانے کی بتی۔

ہوں ان سے جو کچھ سنا ہے اس کی بناء پر کہتا ہوں کہ نہ تو آپ کا وضو ہوتا ہے اور نہ نماز ہوتی ہے کیونکہ ایک آنکھ پر پٹی بندھی ہے وہ جگہ ہمیشہ خشک رہتی ہوگی اور یہ مانع وضو(۱) ہے لہٰذا آج تک کی سب نمازیں آپ کی برباد ہوئیں چونکہ وہ فقیر باعتبار نیت کے طالب حق تھا صرف جہل میں مبتلا ہوگیا تھا اس کو سن کر بہت رویا اور توبہ کی واقعی جہل بھی ہے بُری چیز۔

حکایت نمبر۲

ہمارے تھانہ بھون کا واقعہ ہے کہ یہاں ایک فقیر رہتا تھا بالکل جاہل اور محلے کے اکثر لوگ اس کے معتقد تھے حتیٰ کہ ہمارے نانا صاحب بھی چونکہ صلحائے فقراء سے ان کو خاص تعلق تھا وہ بھی معتقد تھے۔ محلے بھر میں صرف ایک شخص ایسا تھا کہ وہ اس فقیر کا معتقد نہیں تھا اور یہی کہتا تھا کہ جاہل آدمی کی کیا فقیری' اس حرکت پر تمام اہل محلّہ ان کو ملامت کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ اس شخص کو یہ شرارت سوجھی کہ اخیر شب میں تہجد کے وقت کسی ذریعے سے اُس فقیر کے مکان کی چھت پر جا بیٹھا اور جب وہ تہجد کی نماز پڑھنے کے لئے گیا تو نہایت دھیمی اور سُریلی آواز میں اس کا نام لے کر پکارا اُس نے اپنا نام سُنکر پوچھا کہ کون پکارتا ہے؟ آپ فرماتے ہیں کہ میں اخی جبرئیل' جبرئیل کا نام سن کر وہ نہایت غور سے متوجہ ہوا (اَلْحَائِكُ اِذَا صَلّٰى يَوْمَيْنِ اِنْتَظَرَ الْوَحْىَ) ''جولاہا جب دو دن نماز پڑھ لیتا ہے تو پھر وحی کا انتظار کرنے لگتا ہے''۔(۲)

(۱) یہ وضو کی تکمیل کو روکنے والی ہے کہ اس جگہ کا دھونا فرض ہے جو پٹی بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے نہیں دھلتی' اور وضو نہیں ہوتا تو نماز بھی نہیں ہوتی (۲) (اشارة الى انه كان حائكا ۱۲ منه) ''اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ تم جولاھے (یعنی جاہل) ہو۔

اور کہا کیا ارشاد ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بھیجا ہے۔ تجھے سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ اب تو بہت بوڑھا ہوگیا ہم کو تیری کبڑی کمر دیکھ کر شرم آتی ہے اس لئے اب ہم نے تجھ سے نماز کو معاف کردیا یہ کہہ کر آپ وہاں سے چلے آئے۔ اس فقیر نے جو اخی جبرئیل کی زبان سے پروانہ معافی سنا پھر کیا تھا وضو کا لوٹا رکھا اور سوگئے۔ اب تہجد بھی غائب صبح بھی ظہر بھی۔ معتقدین نے جو دیکھا کہ بڑے میاں کئی وقت سے مسجد میں نہیں آئے تو بعضوں کو فکر ہوئی اِدھر اُدھر تذکرہ شروع ہوا آخر گھر پر پہنچے تو دیکھا کہ اندر ہیں بہتیری آوازیں دیں تو جواب ندارد(۱) آخر بڑی مشکل سے دروازہ کھولا بڑے میاں سے نماز میں نہ آنے کا سبب پوچھا تو اول تو مارے نخوت کے آپ نے کچھ جواب ہی نہیں دیا(۲) لیکن جب لوگوں نے بہت اصرار کیا تو آپ نے کہا کہ میرے پاس اخی جبرئیل آئے تھے وہ فرما گئے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تجھے نماز معاف کردی یہ سنکر وہ شخص جو غیر معتقد تھا اور جس نے یہ حرکت کی تھی بہت ہنسا لوگوں کو اس کے ہنسنے سے شبہ ہوا کہ اسی نے یہ حرکت کی ہے۔ پوچھا تو اس نے کہا کہ دیکھ لیجئے آپ ان کو فقیر اور بزرگ بتلاتے ہیں حقیقت میں جاہل کی فقیری کیا؟ اور جب وہ فقیر نہیں ہوسکتا تو پیر اور مقتداء تو بدرجۂ اولیٰ نہیں ہوسکتا۔

حکایت نمبر ۳

ایک اور جاہل فقیر یہیں تھانہ بھون میں تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے تفسیر فرمائی تھی: ((وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی)) ”اے نفس تیری یہی سجا (سزا) ہے“

صاحبو! سب جہل کے کرشمے ہیں اور یہ نامعقول پیٹ اس قسم کی کرتوتیں کرواتا ہے زیادہ تر افسوس یہ ہے کہ لوگوں کو اس کی تمیز ہی نہیں رہی کہ یہ واقع میں

(۱) بڑے میاں کی طرف سے کوئی جواب نہ آیا (۲) تکبر کی وجہ کوئی جواب ہی نہ دیا۔

فقیر ہے یا مکار ہے اور بعض بعض مقامات کی تو یہ حالت ہے کہ وہاں فساق فجار تک کے معتقد ہو جاتے ہیں۔

حکایت نمبر ۴

چنانچہ ایک مشہور شہر کی نسبت ایک ثقہ (۱) سے سنا ہے کہ ایک ایسے ہی نامعقول پیر کے پاس ان کا مرید بیٹھا ہے اور اس کی بیوی بھی بیٹھی ہے اور حضرت پیر صاحب اس کا مُنہ چوم رہے ہیں اور مرید صاحب اس پر خوش ہیں اور بیوی سے ہنس ہنس کر فرماتے ہیں کہ اب تمہارا منہ بڑے رتبہ کا ہوگیا اب ہماری کیا مجال ہے کہ ہم اس میں تصرف کریں میرے ایک خاندانی بزرگ اس شہر کی نسبت کہتے تھے کہ وہاں کے فقیر تو دوزخی اور امیر جنتی۔ کیونکہ امراء تو فقراء سے ان کو اہل اللہ سمجھ کر تعلق رکھتے ہیں اور فقراء ان سے دنیا حاصل کرنے کے لئے تعلق رکھتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ امیروں کو بھی جنتی کہنا مشکل ہے کیونکہ جو شخص اتنا جاہل ہو کہ اس کو فاسق اور صالح میں تمیز نہ ہو سکے وہ کیا جنتی ہونے کے کام کرے گا۔

پیروں کے بارے میں لوگوں کا غلط خیال

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ پیر کے فعلوں سے کیا کام اس کی تعلیم سے کام، تو میں کہتا ہوں کہ شیطان کے مرید کیوں نہیں ہو جاتے اس لئے کہ اس سے بڑا عالم اور واقف تو کوئی فقیر نہ ہوگا یہ تو عالموں سے بھی بڑا عالم ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ یہ عالموں کو بھی علوم میں بہکا لیتا ہے اور کسی دوسرے کو کسی خاص امر میں وہی بہکا سکتا ہے جو اس سے زیادہ اس امر میں مہارت رکھتا ہو غرض جاہل کی پیروی کچھ بھی نہیں ہے۔

---

(۱) معتبر آدمی سے سنا ہے۔

سر انجامِ جَاہل جہنم بود که جاہل نکو عاقبت کم بود

”جاہل کا انجام جہنم ہے اس وجہ سے کہ ایسا کم ہوا ہے کہ جاہل کا انجام اچھا ہو“

چنانچہ وہ پہاڑ کا رہنے والا اگرچہ فقیر تھا لیکن بوجہ جاہل ہونے کے اس نے یہ خرافات کی کیونکہ آنکھ پر پٹی باندھ لی کہ نفس کو شاق ہوگا اور اسی کو طاعت سمجھا۔

صاحبو اگر نفس پر مشقت ہی ڈالنا ذریعۂ قرب ہوتا تو ((لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ)) نہ فرمایا جاتا کیونکہ یہ تو بہت بڑی تکلیف ہے اس سے بہت زیادہ قرب ہونا چاہیئے تھا۔

غلط طریقے سے عبادت کرنے کا نقصان

غرض قرب ہوتا ہے صرف دین کا کام اس کے طریقے کے ساتھ کرنے سے اور اس میں بھی بہت سی بے تدبیریاں کرتے ہیں مثلاً آج کل رمضان شریف آرہا ہیں اس میں اکثر لوگ قرآن تراویح میں سنائیں گے لیکن اس قدر تیزی سے پڑھیں گے کہ سوائے یَعْلَمُوْنَ اور تَعْلَمُوْنَ کے کچھ بھی سمجھ میں نہ آئے گا تو تراویح ذریعۂ قرب ہے لیکن اس کو ایسی بے تدبیری سے ادا کیا گیا کہ وہ ذریعہ بُعد ہوگیا اور پھر غضب یہ کہ اپنی ان حرکات پر تنبہ نہیں ہوتا بلکہ اس پر فخر کیا جاتا ہے کہ ہم نے اتنا زیادہ دین کا کام کیا خدا تعالیٰ ایسوں ہی کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ○ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا○﴾(۱)

(۱) ”آپ کہیئے کہ کیا ہم تم کو ایسے لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بالکل خسارہ میں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی دنیا میں کری کرائی محنت سب گئی گذری ہوئی اور وہ اس خیال میں ہیں کہ وہ اچھا کام کررہے ہیں“ سورۂ کہف: ۱۰۳، ۱۰۴۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ اَرَأَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ ﴾(۱)

اشکال کا جواب

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث میں ((اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ)) آیا ہے اور ہماری نیت درست ہوتی ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا محمل عام نہیں ہے بلکہ اس کا محمل صرف طاعت ومباحات ہیں نہ کہ گناہ پس گناہ میں نیت نیک کرنے سے عمل کا کچھ ثواب نہیں ملتا بلکہ وہاں تو یہ نیت اور بھی زیادہ موجب وبال(۲) ہے کیونکہ معصیت کو ذریعہ قرب کا اعتقاد کیا(۳)۔

شب براءت میں کی جانے والی بدعات

اسی طرح مثلاً اب شب براءت آرہی ہے اس میں حلوا پکانے کو دین سمجھتے ہیں اور اس کی عام رسم ہے اور اگر کوئی مولوی منع کرتا ہے تو اس کو بُرا بھلا کہا جاتا ہے اور غضب یہ ہے کہ بے چارے مولویوں پر افترا پردازی(۴) کی جاتی ہے کہ یہ لوگ حلوے کو منع کرتے ہیں۔ صاحبو! میں صاف کہتا ہوں کہ خود حلوے کو کوئی منع نہیں کرتا صرف اس لئے منع کیا جاتا ہے کہ اس دن پکانے کو ثواب سمجھتے ہو جس کی کوئی اصل نہیں۔ حدیث شریف سے اس کا صرف اس قدر پتہ چلتا ہے کہ اس رات کو حضور ﷺ قبرستان میں تشریف لے گئے اور آپ نے مُردوں کے لئے دعا فرمائی۔ اس سے ممکن ہے کہ کسی نے یہ سمجھ کر کہ اس شب میں اموات(۵) کو نفع پہنچانا تو ثواب ہوگا ہی نفع کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کھانے کے ذریعے سے ثواب پہنچا دیا جائے تو یہاں تک تو قیاس کی گنجائش ہے اس کے بعد تو وہ طوفان

---

(۱) ''اے پیغمبر! آپ نے اس شخص کی حالت بھی دیکھی جس نے اپنا خدا اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے'' سورۂ: فرقان: ۴۳

(۲) عذاب کا باعث ہے (۳) گناہ کو اللہ کے قرب کا ذریعہ سمجھا (۴) الزام تراشی کی جاتی ہے (۵) مردوں کو فائدہ پہنچانا۔

بے تمیزی برپا ہوا ہے کہ الامان الحفیظ (۱) کہیں حلوے کی تخصیص ہے اور کہیں مسور کی دال کی بھی قید ہے خدا جانے ان دونوں میں کیا مناسبت ہے البتہ اتنی مناسبت تو سمجھ میں آتی ہے دونوں کے متعلق ایک ایک مَثل قریب المعنیٰ مشہور ہے چنانچہ حلوہ خوردن راروئے باید (۲) اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ منہ اور مسور کی دال۔ اس دوسری مثل کی اصل ایک دوست نے عجیب بتلائی کہ یہ منہ اور منصور کی دار یعنی منصور کے منہ سے جو ''انا الحق'' نکلا جس سے وہ دار پر چڑھائے گئے ہر منہ اس کلمہ کے لائق نہیں لیکن مشہور وہی ہے اور شہروں میں تو غضب یہ کرتے ہیں کہ چیزیں رہن رکھ کر اور سودی قرض لے کر یہ رسمیں پوری کرتے ہیں چنانچہ میں جس زمانے میں کانپور میں تھا ایک ماما ہمارے ہاں رہتی تھی۔ ماما کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے۔ شب براءت جو آئی تو اس نے اپنے برتن رہن رکھے اور کچھ سودی قرضہ لیا اس کے بعد اُس نے ایک جگہ کو خوب اچھی طرح لیپا اور حلوا پکایا ایک اور طرّہ (۳) بھی ہے کہ اکثر لوگ فاتحہ کے لئے بہت سے پتوں میں علیحدہ علیحدہ رکھ کر مُردوں کو ثواب بخشتے ہیں اور غالباً علیحدہ علیحدہ پتوں میں رکھنے کی رسم پیرزادوں نے اس لئے نکالی ہے تاکہ پیر جی صاحب کو بہت سا ملے کیونکہ پیر جی کا حصہ ہر فاتحہ کے لحاظ سے زیادہ ہوتا ہے اور اسی لئے زیادہ تر مولویوں پر خفا یہی پیر جی لوگ ہوتے ہیں۔

بدعات ورسوم سے بچنے کی آسان ترکیب

اسی وجہ سے میں بطور لطیفہ کے اس کے متعلق اپنے ناصح دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ تم کو چاہیے کہ عوام الناس کو ان چیزوں سے دفعۃً منع (۴) نہ کرو کہ وہ بگڑتے ہیں بلکہ ان سے یوں کہو کہ تم جو پیر جی کو حصہ دے کر ان سے ثواب

(۱) اللہ اس سے حفاظت میں رکھے (۲) حلوا کھانے کیلئے بھی منہ ہونا چاہئیے (۳) ایک اور اضافہ یہ بھی ہے (۴) ایک دم منع نہ کرو۔

بخشواتے ہو یہ ثواب نہیں پہنچتا اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ پڑھا ہے اجرت لے کر پڑھا ہے اور اجرت لینے کے بعد ثواب ملتا نہیں تو جب پیر جی کو خود ہی ثواب نہیں ملا تو تمہارے مردوں کو ثواب کیسے مل جائیگا اس لئے تم پیر جیوں سے پڑھوا تو لیا کرو لیکن ان کو کچھ دیا مت کرو۔ اور اسی طرح پیر جیوں سے بھی یہ کہا جاوے کہ تم فاتحہ خوانی بھی کرو نیاز بھی لیکن اس پر نہ حصہ لیا کرو نہ کوئی اُجرت لیا کرو جب پیر جیوں پر محنت تو پڑی پوری اور ملا نہیں ایک پیسہ بھی تو دیکھ لینا ان شاء اللہ تعالیٰ خود یہ پیر جی ہی بہت جلدی اس کو حرام کہنے لگیں گے اور بدعت کا فتویٰ لگادیں گے کیونکہ ان کے نزدیک اس کام سے زیادہ بدعت کیا ہوگی کہ جس کو دن میں دس دس دفعہ کرنا پڑے اور ایک پیسہ بھی نہ ملے اِدِّعاءِ سنّیت کا منشاء تو صرف یہ تھا کہ کچھ وصول ہو جاتا تھا(۱)۔

ایصالِ ثواب کے لئے پیرزادوں کی ایجاد

اور وصول ہونے ہی کے لئے زیادہ تر ان لوگوں نے اپنی ہوشیاری سے ایصال ثواب کے ایسے طریقے ایجاد کئے ہیں جن کو سوائے ان کے دوسرا عامی آدمی جان ہی نہیں سکتا کہ اول قُلْ هُوَ اللّٰهُ ہو پھر تَبَارَكَ الَّذِیْ ہو پھر یہ ہو اور پھر وہ ہو اور بعض سورتوں پر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے اور بعض پر نہیں۔ یہ ایسی بات ہے کہ اس کو مولوی بھی نہیں جانتے تو چونکہ یہ طریقہ وہی لوگ جانتے ہیں اس لئے مجبوراً سب عوام ان کے محتاج ہو کر انہیں کے پاس جاتے ہیں اور اس طرح سے ان کو ملتا ہے اور پھر غضب یہ کہ یہ لوگ اس میں اور بھی بڑی بڑی چالاکیاں کرتے ہیں۔

---

(۱) اس کام کو سنت قرار دینے کا مقصد تو صرف یہ تھا کہ کچھ حصہ ان کو بھی کھانے کو مل جائے۔

ایک سب انسپکٹر مجھ سے کہتے تھے کہ میں کسی تھانہ میں تھا کہ میرے پاس ایک شخص یہ رپٹ لکھوانے آیا کہ کوئی آدمی میری فاتحہ چرا کر لے گیا' میں سخت پریشان ہوا کہ فاتحہ چرانے کے کیا معنی اس شخص سے پوچھا تو اس نے کہا کہ موقع پر چلئے آخر موقع پر جا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ایک نلکی میں پیر جی ایک سال کے لئے فاتحہ پڑھ کر بند کر جاتے ہیں اور کہہ جاتے ہیں کہ جب ضرورت ہو اس میں سے تھوڑی سی جھاڑ لینا فی نلکی دو روپیہ ان کا مقرر ہے اتفاق سے کسی شخص کے پاس روپیہ تھا نہیں اور اس کو فاتحہ کی ضرورت ہوئی تو اس نے اس شخص کی نلکی چرالی۔

فاتحہ کا مال کھانے کے لئے مُلّا نوں کی اختراعات

اس سے بڑھ کر ایک حکایت حضرت مولانا گنگوہیؒ سناتے تھے کہ کسی مسجد میں ایک مُلّا رہتا تھا سب لوگ اسی سے فاتحہ وغیرہ دلاتے تھے ایک مرتبہ ایک بڑھیا کھانا لے کر آئی اتفاق سے مُلّا جی اس وقت مسجد میں موجود نہ تھے ایک مسافر بیٹھا ہوا تھا وہ یہ سمجھ کر کہ مقصود تو ثواب ہے چلو مسافر ہی کو دے دوں اُس کو کھانا دیکر چلی مسجد کے دروازے سے نکلی ہی تھی کہ مُلّا جی مل گئے پوچھا کہ بُڑھیا کیسے آئی؟ اس نے سب واقعہ کہہ دیا آپ فوراً مسجد میں آئے اور ایک لاٹھی لے کر تمام مسجد کے فرش کو خوب پیٹنا اور غل مچانا(۱) شروع کیا اور پیٹتے پیٹتے (۲) تھوڑی دیر میں دھم سے مسجد کے فرش پر گر گئے لوگوں نے جو غل شور سنا تو سب آ کر جمع ہوگئے پوچھا کہ مُلّا جی کیا ہوا؟ کہنے لگے کہ بھائیو میں تو مدت سے یہاں رہتا ہوں سب مُردوں سے واقف ہوں انہی کو ثواب بخش دیتا تھا یہ نیا آدمی ہے خدا جانے اس نے کس کس کو ثواب بخش دیا یہاں کے سب مُردے مجھے آ کر لپٹ گئے میں نے ان کو بہت کچھ

(۱) مسجد کے فرش پر لاٹھیاں ماریں اور شور مچانا شروع کر دیا (۲) مارتے مارتے زور سے زمین پر گر پڑے۔

بھگایا لیکن میں تنہا تھا کہاں تک لڑتا آخر تھک کر گر گیا اگر دو چار دفعہ ایسا ہوا تو میں تو مر ہی جاؤں گا اس لئے اور کہیں جاتا ہوں لوگوں نے کہا کہ مُلّاجی آپ کہیں نہ جایئے ہم آپ ہی کو ہَر چیز دیا کریں گے تو جب بناء (۱) ان رسوم کی یہ اغراض ہیں تو جب فاتحہ کی عوض ان کو کچھ نہ ملے گا تو الگ الگ پتہ پر فاتحہ پڑھنا ان کو خود ہی مشکل معلوم ہوگا اور اس طرح بہت جلد اس کا انسداد ہو جائیگا۔

بدعات کی علامت

اور یہ بھی ایک علامت ہے ان رسوم کے زائد علی الدین (۲) ہونے کی کیونکہ اصل چیز من جانب اللہ ہر حالت میں محفوظ رہتی ہے چنانچہ جس زمانے میں طاعون کی کثرت ہوئی ہے تو تیجہ دسواں وغیرہ سب چھوٹ گئے صرف وہی چیزیں باقی رہ گئی تھیں جو شرعاً ضروری تھیں بعض لوگوں سے جو میں نے کہا کہ اب وہ رسوم کیوں نہیں ہوتیں تو کہنے لگے کہ صاحب کس کس کی رسمیں کریں یہاں تو روز تیجہ ہی رہتا ہے میں نے کہا دیکھو اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ امور محض زائد ہیں ورنہ اس کثرت اموات میں بھی کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی مُردے کو بغیر کفن دیئے اور بلا نماز پڑھے دفن کر دیا ہو اور تیجہ دسواں بہت لوگوں کا نہیں ہوا غرض یہ کہ دین کے کاموں میں بھی عجیب عجیب طریقے ایجاد کئے ہیں جن سے مقصود دین میں کامیابی یعنی رضاء حق بمراحل بعید ہے (۳)۔

قحط دور کرنے کے لئے نامناسب تدبیریں

چنانچہ منجملہ ان کے ایک یہ موقع بھی ہے کہ آجکل قحط کے آثار معلوم ہوتے

(۱) ان رسوم کی بنیاد یہ اغراض فاسدہ ہیں (۲) ان بدعات کی دین میں زائد ہونے کی یہ نشانی ہے (۳) اللہ کی رضا ان کاموں سے حاصل نہیں ہوسکتی۔

ہیں سو اس کے متعلق بعضے تو تدبیر ہی نہیں کرتے بلکہ شغل کے طور پر محض تذکرے ہی کو کافی سمجھتے ہیں حالانکہ نرا تاسّف (۱) کچھ بھی مفید نہیں ؎

عرفی اگر بہ گریہ میسر شدے وصال صد سال می تواں بہ تمنا گریستن

''اے عرفی اگر رونے سے وصال (محبوب) میسر ہوجائے تو اس تمنا میں سو سال رویا جاسکتا ہے''

اور اگر یہ سمجھ کر کہ اس کا سبب معاصی ہیں اور معاصی کا کفارہ طاعات سے ہوتا ہے پس کوئی طاعت اختیار کرنی چاہیئے تاکہ اس سے مقصود میں کہ رفعِ سخطِ حق و دفع بلا (۲) ہے کامیابی ہو یہ سمجھ کر اس مقصود کی تدبیر کی تو اس کی تعیین میں غلطی کی یعنی یہ کیا کہ بہت سا اناج اکٹھا کرلیا اور تنور میں روٹیاں پکوا کر تقسیم کردیں گویا اس سے میکائیل علیہ السلام کے محکمے کو خرید لیں گے۔

بدعات سے منع کرنے کی وجہ

اور اگر کبھی اس کے متعلق کچھ کہا جائے تو دو جواب ملتے ہیں ایک تو یہ کہ دیکھئے ایک نیک کام سے روکتے ہیں۔ صاحبو! اگر کوئی شخص ظہر کی پانچ رکعتیں پڑھنے لگے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے آخر پانچویں رکعت بھی تو نماز ہی ہے، اسی طرح اگر کوئی طبیب پانچ ماشہ گل بنفشہ تجویز کرے تو دس ماشہ استعمال کرنے سے کیوں رُکتے ہو زائدہ ماشہ بھی تو گل بنفشہ ہی ہے اس کے بھی تو وہی خواص ہیں۔ صرف اسی لئے منع کیا جاتا ہے کہ یہ تحدید طبّی (۳) سے زائد ہے اور

(۱) صرف افسوس کے اظہار کا کوئی فائدہ نہیں (۲) مقصود تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی دور ہو اور یہ مصیبت ہٹ جائے (۳) طبیب نے جو حد مقرر کی ہے اس سے زیادہ ہے۔

تحدید سے آگے بڑھنا ممنوع (۱) ہے پس تحدیدات شریعت (۲) کی آپ کے نزدیک اتنی وقعت بھی نہیں ہے جب پانچویں رکعت کا پڑھنے والا اس لئے بدعتی ہے کہ وہ حدِّ مقرر سے آگے بڑھ گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ ہر نیک کام کرنے کی علی الاطلاق اجازت نہیں ہے بلکہ اس شرط سے اجازت ہے کہ حدود کے اندر ہو۔

شرعی حدود علماء سے معلوم کریں

اور اگر تم کو حدود کی اطلاع نہیں ہے تو تم کو اس کہنے کا کیا مجاز ہے کہ یہ نیک کام ہے اور یہ بذیہ حق علماء کا ہے یا انبیاء علیہ السلام کا تھا کہ علم یا بے علم لوگ علماء کے سامنے مسائل شریعت میں ایسے ہی ہیں جیسے کسی وکیل کے سامنے ایک دیہاتی آدمی۔ جس طرح ایک دیہاتی کسی وکیل کے سامنے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس طرح کر لینے میں کیا حرج ہے اسی طرح آپ کو بھی یہ حق نہیں اور جس طرح وہ ہر کام میں وکیل سے مشورہ کرنے کا محتاج ہے اسی طرح آپ بھی ہر مذہبی کام میں علماء سے مشورہ کرنے کے محتاج ہیں پس طریقہ اس کا یہ ہے کہ جو کام کرو اول علماء سے مسئلہ پوچھ لو اور اگر کوئی عالم شفیق بھی ہوں تو اُن سے وجہ بھی پوچھ لو اور اگر وجہ نہ بتلائیں تو سعادت مندی یہ ہے کہ اس کو اپنے فہم سے باہر سمجھ کر خاموش رہو اور اگر بیان کر دیں تو ان کا احسان سمجھو۔

ارتکابِ بدعات کے لئے کئے جانے والے چندہ کی حقیقت

اور بعض لوگ اس سے بھی چلتا ہوا ایک دوسرا جواب دیا کرتے ہیں وہ یہ کہ کیوں صاحب؟ یہ آج تک ہوتا چلا آیا ہے کیا یہ کرنے والے سب بیوقوف ہی تھے؟ صاحبو! یہ سب عامیانہ باتیں ہیں اب اپنی اس رسم کی حقیقت ابتدا سے سمجھئے۔

(۱) حد سے آگے بڑھنا منع ہے (۲) شرعی حدود۔

سب سے پہلے اناج وصول کرنا شروع کیا جاتا ہے یعنی دو آدمی اٹھے اور گھر گھر جا کر انہوں نے کہنا شروع کیا اور لوگوں نے جمع کر دیا۔ سو دیکھنا یہ ہے کہ یہ اناج لوگوں نے خوشی سے جمع کیا ہے یا محض ان کے لحاظ اور دباؤ سے کہ جب یہ مانگنے آئے ہیں تو ان کو خالی کیا جانے دیں جس نے لوگوں کی حالت میں کچھ بھی غور کیا ہوگا یا کم از کم اپنی حالت میں غور کیا ہوگا کہ ہم نے خوشی سے دیا ہے یا محض لحاظ سے یا اگر نفس اناج تو خوشی سے دیا ہے تو یہ مقدارِ خاص پانچ سیر یا دس سیر خوشی سے دی یا لحاظ سے تو خوب اندازہ کر لے گا کہ اکثر محض آنے والے کے لحاظ سے یا محلے میں بدنامی کے خیال سے دیا جاتا ہے یعنی چونکہ یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر نہ دینگے تو تمام محلے والے ہم کو کنجوس فقیر کہیں گے اور یہ مانگنے والے بدنام کرتے پھریں گے اس لئے بمجبوری دے دیا جاتا ہے اور اس کی نسبت حدیث شریف میں مصرح(۱) ہے ((اَلَا لَا یَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ اِلَّا بِطِیْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ)) ”یعنی کسی مسلمان کا مال بدون اس کی خوش دلی کے لینا جائز نہیں ہے“ اور اگر ایک دو مثالیں ایسی بتلا بھی دو کہ فلاں شخص نے خوشی سے دیا تو زیادہ سے زیادہ چار من میں چار سیر حلال نکلے گا باقی سب حرام اور حلال و حرام کا مجموعہ جب کہ حرام غالب ہو جیسا کہ غالب یہی ہے حرام ہوتا ہے۔

چندہ میں خوشی اور عدم خوشی کا امتحان

اور اگر اب بھی سمجھ میں نہیں آتا تو یہ کیجئے کہ جس محلے سے اب تک وصول نہیں کیا ہو اُس میں ایک اعلان عام کر دو کہ اس کام کے لئے اناج جمع کیا جا رہا ہے اور اِعلان کر کے ایک کوٹھی کسی موقع پر رکھ دو اور اس میں قفل لگا دو اور کہہ دو کہ چار دن کے بعد جس قدر اناج اس میں جمع ہو جائے گا اس کو پکا کر تقسیم کیا

(۱) حدیث میں ایسے چندہ کے بارے صاف طور پر یہ ذکر ہے۔

جائے گا پھر پانچویں دن اس کوٹھی کو کھول کر دیکھو ان شاء اللہ ایک چوتھائی اناج اس میں نہ ہوگا۔ اس سے اندازہ ہوجائیگا کہ طیبِ خاطر سے کتنے لوگ دیتے ہیں اور مسلمانوں کے پاس رکھا بھی کیا ہے کہ وہ خوشی سے اتنا دے سکیں ان بیچاروں کو خود تو کھانے کو ملتا ہی نہیں دوسروں کو کہاں سے دینگے تو سب سے اول تو یہ لغو حرکت کی جاتی ہے جس کا اثر یہ ہے کہ اگر پانی برسنے والا بھی ہوتو نہ برسے کیونکہ ایک تو گناہ دوسرے حق العبد(۱)۔

رسوم کے لئے دیئے جانے والے چندہ میں ایک اور خرابی

دوسری بات دیکھنے کی یہ ہے کہ جن لوگوں نے خوشی سے بھی دیا ہے انہوں نے اپنا مال دیا ہے یا دوسرے کا اور اگر دوسرے کا مال دیا ہے تو اس کی اجازت سے دیا ہے یا بلا اجازت کیونکہ ایسا اکثر ہوتا ہے کہ میاں کا مال بغیر اجازت بیوی نے دے دیا اور شوہر سنکر بمجبوری خاموش رہا اور بعض جگہ کراہت (۲) کا اظہار بھی کردیتا ہے چنانچہ کانپور میں ایک مرتبہ مدرسہ میں جلسہ ہوا ایک صاحب کے گھر سے بعض حقہ باز مہمانوں کے لئے حقہ منگایا گیا۔ بیوی نے شوہر کا مُرادآبادی حقہ بھیج دیا شوہر کو جو خبر ہوئی تو انہوں نے بیوی کو خوب پیٹا اور اگر اب بھی سمجھ میں نہیں آیا تو انتظار کیجئے تھوڑے دنوں میں خدا تعالیٰ خود سمجھادیں گے یعنی بعد موت کے سب حقائق منکشف (۳) ہوجائینگے۔

ارتکابِ ظلم

اس کے بعد اناج (۴) کے پیسنے کا وقت آتا ہے اُس میں وہ گڑ بڑ ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ پیسنے والی نہیں ملتی تو رؤسا سے کام لیا جاتا ہے

(۱) بندے کا حق (۲) ناپسندیدگی کا اظہار بھی کیا (۳) سب حقیقت کھل جائے گی (۴) گندم۔

اور ان کے ذریعے سے چماریوں کو بیگار میں پکڑ کر ان سے پسوایا جاتا ہے اور اگر ان کو پسائی دی جاتی ہے تو بہت ہی کم اور اگر پوری ہی دی تب بھی تو کسی سے کام لینا بلا رضا مندی حرام ہے اس کے بعد اس کے پکانے کا وقت آتا ہے پکوانے کے منتظم اکثر وہ لوگ ہوتے ہیں کہ ان کو خدا کا خوف نہ حلال وحرام کی پرواہ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اندھا بانٹے شیرینی اپنے اپنوں کو دے (۱) یا جس کو جی چاہا دیا جس کو چاہا انکار کر دیا اکثر بھنگی چمار چماریاں اس کھانے کی مستحق سمجھی جاتی ہیں اور چیلیں گوشت کی حقدار سمجھی جاتی ہیں۔

صدقہ دینے میں لوگوں کی کوتاہیاں

اور ویسے مریض کے لئے صدقہ دینے میں بھی چیلوں کے کھلانے کی رسم ہے اور شہروں میں ہم نے صدقے کے متعلق بعض خاص رسوم دیکھی ہیں یعنی وہاں اکثر لوگ مسلّم ماش (۲) اور تیل اور پیسے تقسیم کرتے ہیں اور اکثر بھنگیوں کو دیتے ہیں اس کی وجہ غور کرنے سے یہ سمجھ میں آئی کہ عوام الناس بلا کو کالی سمجھتے ہیں اس لئے چھانٹ کر کالی چیزیں دیتے ہیں کہ ان کے ذریعے سے بلا دفع ہوگی اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ان کھانوں کا حقدار بھنگیوں اور چماروں کو سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ لوگ بھی اکثر کالے ہوتے ہیں گویا جب وہ کھائیں گے تو ساری بلا ان کے پیٹ میں چلی جائیگی مگر وہ ایسے بلانوش ہیں کہ ان کو کچھ بھی نہیں ہوتا۔

علیٰ ہذا اکثر ایسے لوگ بھی اس کھانے کو لے جاتے ہیں جو خود بھی خوشحال ہوتے ہیں چنانچہ ہمارے محلّہ میں ایک مرتبہ کھانا پکا تھا ایک بڑے میاں کو میں نے دیکھا کہ کھانا لئے ہوئے چلے آرہے ہیں میں نے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا کہنے لگے کہ

(۱) مثل مشہور ہے یعنی رشتہ دار وعزیز اقرباء کو ہر طرح زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچایا جاتا ہے (۲) ثابت ماش کی دال۔

یہ کھانا ذرا مزیدار ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ جناب آپ کو لینا جائز نہیں تب ان کی سمجھ میں آیا اور ان بے عنوانیوں کے سبب میں تو ایسے کھانے کو کسی کے لئے بھی پسند نہیں کرتا ایک مرتبہ ہمارے مدرسے کے طالب علموں کی بھی دعوت کی گئی تھی لیکن میں نے اس کو منظور نہیں کیا کیونکہ یہ جائز نہیں ہے۔

چندہ جمع کرنے میں بے اعتدالیاں

غرض آجکل چندوں کے جمع کرنے میں اس قدر بے عنوانیاں ہوتی ہیں جس سے اکثر چندے ناجائز ہوجاتے ہیں اکثر مدارس کے چندوں میں بھی اس کا خیال نہیں کیا جاتا اور پھر اپنی اِس حرکت پر فخر کیا جاتا ہے کہ ہم نے خوب خوب کوشش کی۔ کوشش یہ کہ خوب چمٹ کر وصول کیا اور بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ہم دین کے کاموں میں کوشش کر کے خدا کے مقرب ہو گئے۔

صاحبو! خدا تعالیٰ نے کب کہا تھا کہ تم لوگوں کو چمٹ کر اور پریشان کر کے وصول کرنا اور ہمارے حکموں کو چھوڑ دینا۔ بعض لوگ اس کے جواب میں کہا کرتے ہیں کہ صاحب ہم نے اپنے لئے تو نہیں کیا خدا کے کام کے لئے کیا ہے۔ صاحبو! یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے اگر اپنے لئے کرتے تو خیر کچھ تو ملتا دنیا ہی سہی اور اب تو سوائے گناہ کے کچھ بھی نہ ملا اور یہ تو ان لوگوں کی حالت ہے جو محض دین کا کام سمجھ کر کرتے ہیں اور جو لوگ اپنے نفس کی کسی غرض کے حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں ان کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

قحط کے اسباب اور اس کے دور کرنے کی تدابیر

پس ازالہ قحط کی یہ تدابیر نہیں ہیں۔ تدابیر اس کی اور ہیں اور وہ ایک ضروری امر کے معلوم کرنے پر موقوف ہے وہ یہ ہے کہ ہر مصیبت کا ازالہ اس وقت

ہوسکتا ہے کہ جب اس مصیبت کا سبب دریافت ہوجائے پھر اس سبب کو دور کردیا جائے۔ لہٰذا اس موقع پر بھی اول بارش نہ ہونے اور ہونے کے اسباب دریافت کئے جائیں اور پھر ان کو زائل یا حاصل کریں۔ سو بارش نہ ہونے کا سبب غیر تام تو معصیت (۱) ہے اور سبب تام مشیت (۲) اور بارش ہونے کا سبب غیر تام طاعت (۳) ہے اور سبب تام مشیت۔ یعنی طاعت کو بارش ہونے میں اور گناہ کو بارش نہ ہونے میں دخل ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ﴾ (۴) یہ اگرچہ خاص قوم کو خطاب ہے اور ان ہی سے یہ وعدہ بھی تھا اور یہ اس لئے کہہ دیا کہ اگر استغفار کے بعد بھی بارش نہ ہو تو خدا کے کلام کو غلط نہ سمجھو لیکن تاہم استغفار کا دخل تو اس میں معلوم ہوا دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (۵) یہاں بھی ایک خاص قوم کی نسبت ارشاد ہے کہ اگر وہ ایمان لے آتے تو اُن کے لئے ایسا ہی ہوتا عام وعدہ قطعی نہیں ہے لیکن ایمان اور تقوے کا اس فتح برکات میں دخل تو ضرور ثابت ہوا اور تیسری جگہ ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ (۶) یہ آیت بھی اسی

(۱) نامکمل سبب تو ارتکابِ گناہ ہے (۲) اصلی سبب اللہ کی مرضی ہے (۳) فرمانبرداری (۴) ''اور میں نے کہا تم اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بے شک وہ بڑا بخشنے والا ہے کثرت سے تم پر بارش بھیجے گا اور تمہارے مال' اولاد میں ترقی دیگا'' سورۂ نوح: ۱۰ تا ۱۲ (۵) ''اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے'' سورۂ اعراف: ۹۶ (۶) ''اور اگر یہ لوگ توراۃ کی اور انجیل کی اور جو کتاب ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی اس کی پوری پابندی کرتے تو یہ لوگ اوپر سے اور نیچے سے خوب فراغت سے کھاتے'' سورۂ مائدہ: ۶۶۔

قبیل کی ہے اور جو آیتیں ایسی ہیں کہ ان میں وعدہ عام معلوم ہوتا ہو وہاں بھی دوسری آیات کے انضمام سے تقیید بالمشیت (۱) ہوگی چنانچہ فرماتے ہیں: ﴿بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَآءَ﴾ (۲) تو جہاں وہ بھی ہے وہ مقید بالمشیت ہے نیز اس آیت اخیرہ سے جیسے یہ بات معلوم ہوئی کہ طاعت سبب غیر تام ہے چنانچہ ﴿فَیَکْشِفُ﴾ کو ﴿اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ﴾ پر مرتب فرمایا ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ مشیت سبب تام ہے تو تدبیر بارش ہونے کی یہ ہوئی کہ موانع کو مرتفع کیا جائے اور بواعث کو پیدا کیا جائے یعنی دونوں پہلوؤں پر نظر کر کے ایک دستور العمل مقرر کریں اور وہ یہ کہ گناہ کو بالکل ترک کر دیں اور طاعت کو پوری طرح اختیار کریں یہ تو سبب غیر تام کا رفع اور اس کے ساتھ تشبّث ہو (۳)۔

رفع قحط کے لئے دعا کی ضرورت

رہا دوسرا سبب یعنی خدا تعالیٰ کا چاہنا کہ بارش نہ ہو سو اس کی وہ تدبیر کرو جس سے خدا تعالیٰ چاہیں اور یہ بات اگرچہ ہمارے قبضہ میں نہیں ہے لیکن ہم کو اس کا طریقہ بتلایا گیا ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے درخواست کی جائے کہ آپ مشیت کو متعلق فرما دیجئے اور یہ ضروری نہیں کہ اس عنوان سے درخواست ہو بلکہ یہ دُعا کرنا کہ اے اللہ! بارش عطا فرما' اس کا حاصل وہی درخواست مشیت ہے کیونکہ مشیت موقوف علیہ ہے اور موقوف کی دُعا موقوف علیہ کی دعا ہے۔

---

(۱) دوسری آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشیت الٰہی ضروری ہے تو جس آیت میں عام حکم ہے اس میں بھی خدا کی رضا کے ساتھ مشیت کی شرط لگائی جائیگی (۲) ''پھر جس کے لئے تم پکارو اگر وہ چاہے تو اس کو ھٹا بھی دے'' سورۂ انعام: ۴۱'' (۳) یہ سبب غیر تام کو دور کرنا اور اطاعت کو اختیار کرنا اس کا سبب بنا۔

رفع قحط کی تدابیر

تو حاصل ساری تدابیر اور دستورُ العمل کا تین عمل ہوئے ایک تو گناہ نہ کرنا کہ اس میں ہم لوگ بہت زیادہ مبتلا ہیں اور پھر ظلم یہ ہے کہ طرح طرح کے گناہ ہم سے سرزد ہوتے ہیں اور اس پر طرہ یہ ہے کہ ہم اپنے کو بالکل پاک صاف سمجھتے ہیں۔

سلف صالحین کا طرزِ عمل

حالانکہ ہمارے سلف کی یہ حالت تھی کہ باوجود بالکل پاک ہونے کے بھی وہ اپنے کو گنہگار سمجھتے تھے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ مدین میں قحط پڑا لوگ اُن کے پاس دعا کرنے کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ امساک باراں گناہوں کے سبب (۱) ہوتا ہے اور سب سے زیادہ گنہگار شہر میں میں ہوں لہٰذا مجھے شہر سے نکال دو تو بارش ہوجائے گی اور یہی نہیں کہ محض زبانی کہہ دیا ہو بلکہ آپ اُس شہر سے چلے بھی گئے ہم لوگ شب و روز گناہوں میں مبتلا ہیں لیکن ہم کو کبھی وہم بھی نہیں ہوتا کہ ہمارے اعمال کی شامت ہے۔

حضرت سیّدنا شاہ عبدالقادر جیلانیؒ جن کی شان یہ تھی کہ (قدمی علی رقاب کل اولیاء اللہ)(۲) اُن کا مقولہ ہے ان کی وہ حالت تھی جو شیخ نے گلستان میں نقل کی ہے کہ وہ یہ کہہ رہے تھے۔

---

(۱) بارش گناہوں کی وجہ سے روک دی جاتی ہے (۲) قال العارف السّھروردیؒ :انه قال فی حالة السّکر وقال بعض العلماء انّہٗ قاله بالالهام من اللّٰه عزوجل والاقرب الی سیرتهؓ هوالاول واللّٰه اعلم' لکن من ثبت فضله علیه فهو مستثنی من ذلك والکشف ظنی فافهم ١٢ احمد حسن سنبھلی عفی عنه ترجمہ: ''عارف سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے یہ بات حالت سکر میں کہی تھی بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ بات آپ نے آپ پر کیئے گئے الہام کی وجہ سے کہی آپ کی سیرت کے مطابق پہلی بات زیادہ قرین قیاس ہے واللہ اعلم۔ اور جنہوں نے اس سے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی فضیلت کو ثابت کیا وہ دوسری بات ہے اور یہ بات بھی سمجھ لو کہ کشف ظنی ہوتا ہے'' ۱۲ خ۔

من نگویم کہ طاعتم بپذیر قلمِ عفو برگناہم کش

یعنی ''میں یہ نہیں کہتا کہ میری طاعت کو قبول فرمالیجئے اس لئے کہ میرے پاس طاعت ہی کہاں ہے صرف یہ التجا ہے کہ میرے گناہوں پر معافی کا قلم کھینچ دیجئے'' یعنی مجھ کو بخشد یجئے اور آپ کے اس قول میں (قدمی علی رقاب کل اولیاء اللّٰہ) میں اگرچہ اختلاف ہے کہ تمام اولیاء اللہ مراد ہیں یا اس زمانہ کے اولیاء اللہ لیکن دوسری شق میں بھی کچھ کم فضیلت ثابت نہیں ہوتی تو جب یہ حضرات اپنے کو ایسا کہیں تو ہم کو کیا حق ہے کہ ہم اپنے کو جنید وقت سمجھیں اور اگر جنید ہی سمجھیں تب بھی اپنے کو گنہگار سمجھنا چاہئے کیونکہ جنیدؒ تو اپنے کو بہت بڑا گنہگار سمجھتے تھے۔

ہمارے تقوے کی مثال

مگر ہمارا تقویٰ کچھ ایسا لوہے کا جڑا ہے کہ فسق و فجور سے بھی نہیں جاتا کچھ بھی کریں مگر پھر بزرگ کے بزرگ ہمارے تقوے کی وہ حالت ہے کہ جیسے بی بی تمیزہ کا وضو تھا کہ وہ کسی طرح ٹوٹتا ہی نہ تھا۔ بی بی تمیزہ کا ایک قصہ مثنوی میں لکھا ہے کہ یہ ایک عورت فاحشہ تھی کسی بزرگ نے اس کو نصیحت کی اور نماز پڑھنے کی تاکید کی اور وضو بھی کرادیا اس نے نماز شروع کردی ایک مدت کے بعد جو اُن بزرگ کا وہاں کو گذر ہوا تو بی بی تمیزہ بھی ملیں۔ انہوں نے پوچھا کہ بی نماز بھی پڑھا کرتی ہو کہنے لگی جی ہاں پڑھتی ہوں۔ انہوں نے کہا اور وضو بھی کرتی ہو کہنے لگی کہ آپ نے اس روز کرا نہیں دیا تھا۔ صاحب مثنوی نے اس قصے کو نقل کرکے لکھا ہے کہ ہم لوگوں کا تقویٰ بالکل ایسا ہی ہے جیسے بی بی تمیزہ کا وضو تھا کہ نہ وہ زنا سے ٹوٹتا ہے نہ اور کسی فعل سے اسی طرح ہم لوگ اپنے ایسے معتقد ہیں کہ کوئی عیب ہی نہیں نظر آتا البتہ دوسرے پر طعن کرنے میں خوب پختہ ہیں۔

ہماری بدحالی

کیوں صاحبو! کیا ہم کو گناہوں کے معاف کرانے کی ضرورت نہیں ہے جو اس کو چھوڑ کر دوسروں کے پیچھے پڑ گئے کیا ہم آنکھ ناک کان ہاتھ پیر کے گناہوں میں مبتلا نہیں ہیں کیا ہمارے ذمہ حقوق العباد نہیں ہیں کیا ہم میں سے بہت لوگوں نے دوسروں کی زمین نہیں دبا رکھی کیا بہت سے لوگ زمین کی موروثیت کے مدعی ہم میں نہیں ہیں باوجود اس کے پھر ہم میں بعضے لوگ بارش نہ ہونے پر یا کسی دوسری بلا آنے پر تعجب کیا کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ خدا جانے ہم کس گناہ میں پکڑے گئے۔

صاحبو! آپ کو تو اس پر تعجب ہونا چاہئیے کہ ہم کو جو دو وقت روٹی مل جاتی ہے یہ کونسی طاعت سے ملتی ہے اس واسطے کہ باغیوں کو تو روٹی نہیں ملا کرتی۔ غرض ایک تدبیر تو یہ ہے کہ سارے گناہ چھوڑ دو۔

رفع قحط کی دوسری تدبیر

اور دوسری تدبیر یہ ہے کہ طاعت کو اختیار کرو۔ جن لوگوں کے ذمے زکوٰۃ واجب ہے وہ زکوٰۃ دیں جن پر حج فرض ہے وہ حج کریں اور پختہ قصد کرلیں کہ ان شاء اللہ عید سے اگلے دن ضرور حج کو چلے جائیں گے بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ سالہا سال سے ان کا ارادہ حج کا ہے لیکن آج تک پورا ہی نہیں ہوا آئے دن کوئی نہ کوئی بہانہ ان کو لگا رہتا ہے کسی نے ایسے ہی لوگوں کے لئے کہا ہے کہ ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم　　　باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم (۱)

---

(۱) ’’ہر رات میں اللہ سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ کل کو میں یہ گناہ چھوڑ دوں گا مگر جب کل آجاتی ہے تو پھر آج کو اگلی کل پر لے جاتا ہوں گویا کل آتی ہی نہیں‘‘۔

تیسری تدبیر

اور تیسری تدبیر یہ ہے کہ دعا کریں لیکن دعا کے یہ معنی نہیں کہ جماعت میں سے کسی ایک نے پکار دیا کہ بارش کے لئے دعا کیجئے اور دوسرے نے کہہ دیا کہ اے اللہ بارانِ رحمت نازل کیجئے حالانکہ نہ دل میں درد ہے نہ قلب کو توجہ ہے بلکہ دعا اس طرح کرو کہ پوری طرح دل ادھر متوجہ ہو اور دل میں درد بھرا ہوا ہو اور اگر درد اختیار میں نہیں ہے تو توجہ کرنا تو اپنے اختیار میں ہے اور کم سے کم اس قدر توجہ تو ہو جس قدر حکام سے التجا کرتے وقت ہوا کرتی ہے صاحبو! جو دُعا توجہ سے کی جاتی ہے وہ اکثر قبول ہوتی ہے اور اکثر محض احتیاطًا کہا ورنہ اصل ہی یہ ہے کہ ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

''جس عاشق کے حال پر دوست کی نظر نہ ہو اے خواجہ کہ اس کے دل میں درد نہیں ہے ورنہ طبیب تو موجود ہے''

طبیب کے ہونے میں شک نہیں گر درد ہی نہ ہو تو کیا کریں اور دعا کرنے کے تین طریقے ہیں ایک تو یہ کہ ہر نماز کے بعد دعا کیا کرے دوسرے یہ کہ فرض نمازوں کے علاوہ ہر شخص کچھ نفلیں بھی پڑھ لیا کرے اور ان کے بعد دعا کیا کرے تیسرے یہ کہ سب مل کر کسی جنگل میں جمع ہوں اور وہاں جا کر خدا تعالیٰ سے دُعا کریں ان میں سے جو آسان معلوم ہو اس کو کرلیں پس تدبیر یہ ہے نہ وہ جو کہ لوگوں نے اختراع کی ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ کلام ان سب تدابیر مذکورہ کو شامل ہے اور مولانا نے اسی کو نظم بھی کیا ہے ؎

اُطْلُبُوا الْاَرْزَاقَ مِنْ اَسْبَابِهَا وَادْخُلُوْا الْاَبْيَاتَ مِنْ اَبْوَابِهَا

''روزی روزی کے اسباب کے ذریعے تلاش کرو اور گھروں میں اُن کے دروازے سے داخل ہو''

جس کام کو کرو اس کے دروازے سے کرو اور دروازہ ہر کام کا وہی ہے جو اس کا اصلی طریقہ ہے یہ تو حاصل تھا ﴿وَأْتُوالْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا﴾ کا۔

آگے خدا تعالیٰ نے ایک قاعدہ کلیہ ارشاد فرمایا ہے اگرچہ یہ جملہ بھی قاعدہ کلیہ تھا مگر وہ مقاصد پر مطابقۃً دلالت نہ کرتا تھا اور یہ مطابقۃً دلالت کرتا ہے فرماتے ہیں ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کام کرو اس میں یہ دیکھ لو کہ ہم خلاف شرع تو نہیں کرتے یعنی دین کا جو کام کرو تو اس کا طریقۂ کامیابی بھی دیکھ لو اور دنیا کا جو کام کرو اس میں صرف اتنا دیکھ لو کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔ چونکہ یہ مضمون حالت موجودہ پر نظر کر کے نہایت ضروری تھا اس لئے اس کو اس حالت کے ساتھ بالتخصیص بیان کر دیا گیا باقی ہے یہ ایسا امر کہ اس کو ہر وقت ہر کام میں پیش نظر رکھنا چاہئیے۔

رفع قحط کی ایک اور تدبیر

البتہ طاعت میں علاوہ طاعت عامہ مذکورہ سابقہ کے خصوصیت کے ساتھ رفع قحط کے لئے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ کچھ صدقہ دے دیا جائے کیونکہ صدقے کو خدا تعالیٰ کے غصے کے دور کرنے میں بہت دخل ہے۔

صدقہ کا بہترین اور آسان طریقہ

اور اس صدقے کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دونوں وقت اپنے گھر میں سے ایک ایک روٹی غریبوں کو دے دو یا جس قدر توفیق ہو۔ یہ آسان بھی ہے اور ہمیشہ

جاری بھی رہ سکتا ہے یا جو لوگ صاحب وسعت ہیں وہ ایک ایک خوراک دونوں وقت مقرر کر دیں اس میں غلہ بھی خرچ ہو جائیگا اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی۔

حدیث شریف میں اخفائے صدقہ (۱) کی یہاں تک تاکید آئی ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ''اس طرح صدقہ کرو کہ داہنا ہاتھ دے تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو'' لوگ کہتے ہیں کہ مولوی نیک کاموں سے منع کرتے ہیں۔ صاحبو! منع نہیں کرتے بلکہ تمہاری چیزوں کو ضائع ہونے سے بچاتے ہیں اور تم کو ان کے صَرف کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں کہ اس طرح کرو تا کہ ٹھکانے لگے۔

اب خدا تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہم کو توفیق عمل دے اور ہمارے گناہوں کو بخش دے اور بارانِ رحمت نازل فرمائے۔ (۲)

آمین یا رب العالمین

تمت بالخیر

---

(۱) پوشیدہ طور پر صدقہ کرنے کی تاکید آئی ہے (۲) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے گناہوں کو بخش دے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی ۱۶ مئی ۲۰۰۹ء

﴿توجہ الی اللہ کی حقیقت﴾

توجہ الی اللہ کی حقیقت تو یہی ہے کہ خدا کی طرف دل سے متوجہ ہو مگر ہر حقیقت کی ایک صورت بھی ہوتی ہے اور توجہ الی اللہ کی صورت وہی ہے جو شریعت نے بتلائی پس دونوں کو جمع کرنا چاہئے کہ دل سے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہو اور ظاہر سے اعمال شرعیہ کے پابند رہو۔ طاعات کو بجالاؤ اور معاصی سے بچنے کا اہتمام کرو، نگاہ کو روکو اور نامحرموں کی باتیں بھی نہ سنو، اس کے بعد ان شاء اللہ نورانیت حاصل ہوگی۔

وعظ : کوثر العلوم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ